A Study of the Evolution of Maryam Jameelah's Thought and Ideas

Zohaib Ahmad*

ABSTRACT

Maryam Jameelah was an American Jewish convert to Islam, who preferred Pakistan to America as her permanent residence after conversion. Similar to Jameelah, her entire family distanced itself from Judaism. Criticizing Jameelah's views about the Western civilization, modernism, and Islam, some scholars have argued that she was a conservative writer who devoted a big part of her life in presenting a conservative or rather fundamentalist view of Islam. However, the reasons of Jameelah's attitude have been often ignored. Moreover, scholars did not pay much attention to the fact that she tends to take similar position towards the study of other religious traditions as well. Therefore, various stages of the evolution of Maryam Jameelah's thought and ideas before her formal conversion to Islam has to be studied in detail. In this regards, questions like what motivated her towards the study of the world religions and why did she prefer to criticize the modern reform movements remain at the forefront. By analyzing Jameelah's American life and approaches towards the study of world religions, this

* Ph.D Scholar, Department of Comparative Religion, Faculty of Uṣuluddīn, Internationl Islamic University, Islamabad. (hafizctn@gmail.com)

paper will argue that her thoughts were influenced by a number of relationships, conditions, connections and situations that were multiple, dynamic, interactive and cumulative in their nature. During the different periods of her life, she had showed different attitudes. However, she tended to refute modernism and the Western culture in every phase of her life that later resulted in her criticism of the modern reform movements.

مریم جمیلہ کا ذہنی و فکری ارتقا:
ایک تجزیاتی مطالعہ

ذوہیب احمد ۞

تعارف

مریم جمیلہ ایک یہودی خاتون تھیں جنھوں نے قبولِ اسلام کے بعد امریکہ سے ہجرت کر کے پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ نہ صرف مریم جمیلہ بلکہ ان کے گھرانے کے دوسرے افراد نے بھی یہودیت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ مغربی تہذیب، اسلام اور جدیدیت کے بارے میں مریم جمیلہ کی تحریروں کی بنیاد پر بعض محققین اور ناقدین یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ وہ مغربی تہذیب اور جدیدیت کی سخت مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قدامت پرست خاتون تھیں جنھوں نے اپنی زندگی قدامت اور بنیاد پرستانہ اسلام کی اشاعت میں صرف کی۔ تاہم اس سوال کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ یہ طرزِ عمل مریم جمیلہ نے کیوں اختیار کیا؟ کن عوامل نے ان کی فکر اور ذہنی ارتقا میں اپنا کردار ادا کیا؟ اس امر کی طرف بھی عموماً توجہ نہیں دی جاتی کہ مریم جمیلہ نے نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب کا مطالعہ بھی قدامت پسندانہ انداز میں کیا ہے جو بعد میں ان کے قبولِ اسلام کا سبب بنا، اس لیے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ قبولِ اسلام سے قبل مریم جمیلہ ذہنی ارتقا کے کن مراحل سے گزریں؟ کن عوامل نے انھیں مذاہبِ عالم کے مطالعے کی طرف مائل کیا؟ اور وہ کون سی وجوہات تھیں، جن کی بنا پر انھوں نے تجدیدِ مذاہب کے لیے کوششیں کرنے والے علما کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا؟ زیرِ نظر مقالہ مریم جمیلہ کے مطالعۂ مذاہب کے اسلوب اور امریکہ میں گزری زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے یہ استدلال کرے گا کہ ان کے فکری ارتقا کے مراحل، مختلف حالات، واقعات اور تعلقات سے عبارت ہونے کے باوجود باہم متصل تھے۔ ان کی زندگی کے مختلف ادوار روایتی، قدامت پسندانہ اور بنیاد پسندانہ فکر کے عکاس تھے، تاہم جدیدیت اور مغربی طرزِ حیات کی رقابت ہر دور میں اُن کے مزاج کا حصہ رہی ہے، جس کی وجہ سے انھوں نے جدید مذہبی اصلاحی تحریکوں کی سخت مخالفت کی ہے۔

۞ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ تقابل ادیان، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(hafizctn@gmail.com)

سابقہ معلومات کا جائزہ

مریم جمیلہ کے ذہنی اور فکری ارتقا کے متعلق مارسیا ہرمینسن(۱) لکھتی ہیں کہ مریم جمیلہ بنیاد پرستانہ سوچ رکھنے والی مسلم مصنفہ تھیں جن کا مقصد ایسے مکتبِ فکر کے لیے لکھنا تھا جو مغرب کے نقائص پڑھنے کا خواہش مند ہے۔ ہرمینسن کے خیال میں مریم، جماعتِ اسلامی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے بنیاد پرستانہ سوچ کی حامل تھیں۔(۲) سید حسین نصر(۳) کے خیال میں بھی ایک عرصے تک مریم جمیلہ بنیاد پرستانہ خیالات رکھنے والی خاتون رہیں۔ وہ جدیدیت کے سخت خلاف رہی ہیں، تاہم کتابوں پر کیے گئے ان کے بعض تبصروں سے پتا چلتا ہے کہ وہ روایتی اسلامی نقطۂ نظر کی طرف راغب ہو چکی تھیں۔(۴) جان ایسپوزیٹو(۵) مریم جمیلہ کو "قدامت پسندانہ اسلام کی علم بردار" گردانتے ہیں، مگر ان کے خیال میں مریم کا یہ رویہ صرف اسلام تک ہی محدود نہ تھا بلکہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتے وقت بھی ان کی سوچ انھیں خیالات کی عکاس نظر آتی ہے۔ مغربی طرزِ حیات نے اُن کی سوچ کو بہت متاثر کیا، جس کے بعد وہ ہر قسم کی مذہبی تجدید کے خلاف ہوتی گئیں۔(۶) عبدالوہاب آفندی(۷) کے خیال میں مریم جمیلہ روایت پسند مذہبی طبقے سے تعلق رکھتیں تھیں، جو جدیدیت کا مخالف ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "جمیلہ اپنے رویے

۱– مارسیا ہرمینسن ایک نام ور محقق خاتون ہیں جو اس وقت لائل یونی ورسٹی کے تھیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔

2– Hermansen Marcia, *Roads to Mecca: Conversion Narratives of European and Euro-American Muslims*, *The Muslim World* 89, no. 1 (1999): 79.

۳– سید حسین نصر ایک مشہور ایرانی محقق اور فلسفی ہیں جو اس وقت جارج واشنگٹن یونی ورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں بطور پروفیسر فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔ مریم جمیلہ کی بیٹی ماریہ خانم کے مطابق سید حسین نصر، مریم جمیلہ کے انتہائی قریبی قلمی دوستوں میں سے ایک تھے۔ مریم جمیلہ کی لائبریری میں سید حسین نصر کے خطوط ابھی تک محفوظ ہیں۔

4- Seyyed Hossein Nasr, *Traditional Islam in the Modern World* (New York: Kegan Paul International, 1994), 23.

۵– جان ایسپوزیٹو ایک مشہور امریکی محقق ہیں جو اس وقت جارج ٹاون یونی ورسٹی، امریکہ میں بطور پروفیسر فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔

6- John L. Esposito and Voll John, *Makers of Contemporary Islam* (Oxford: Oxford University Press, 2001), 58.

۷– عبدالوہاب آفندی ایک مشہور اسلامی مفکر اور ماہر سیاسیات ہیں جو اس وقت یونی ورسٹی آف ویسٹ منسٹر، امریکہ میں فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔

کا ذمہ دار ریفارم یہودی گھرانے میں اپنی پرورش کو ٹھہراتی ہیں جو ایک ایسا تجربہ تھا جس نے اُن پر یہ ثابت کر دیا کہ جدیدیت تمام مذہبی تہذیبوں کے لیے سمِ قاتل ہے۔" (۸) امریکہ میں قبولِ اسلام کی تاریخ قلم بند کرتے ہوئے پیٹرک بون اظہار خیال کرتے ہیں کہ مریم جمیلہ نے اپنی ہجرت سے قبل اسلام پر اپنے مضامین چھپوانے شروع کر دیے تھے۔ **الاتحاد، وائس آف اسلام** اور **یقین انٹرنیشنل** جیسے تحقیقی مجلات ان کے مضامین پوری آب و تاب سے چھاپا کرتے تھے۔ مریم جمیلہ کی ہجرت اور ابو الاعلی مودودی کی مدد نے انھیں "دنیا کا مشہور ترین سفید فام نو مسلم" بنا دیا تھا۔ بون کے خیال میں اپنی زیادہ تر کتب میں مریم جمیلہ روایتی علما خاص طور پر مولانا مودودی سے بہت زیادہ متاثر نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے انھوں نے اسلام کے متعلق نہایت قدامت پسندانہ انداز میں لکھا ہے۔ (۹) مریم نے یقیناً قبولِ اسلام سے پہلے عرب ثقافت اور اسلام پر لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا پہلا اور آخری ناول **احمد خلیل** اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ **احمد خلیل** ایک فلسطینی مہاجر کی داستان ہے جس میں کرداروں کے نام، مقامات، مذہبی تہوار اور عبادات کا نقشہ اس انداز میں کھینچا گیا ہے کہ قاری کو یہ اندازہ کرنا انتہائی دشوار ہے کہ مصنفہ، مسلمان نہیں بلکہ بارہ برس کی ایک یہودی بچی تھیں جنھوں نے مذہب کی باقاعدہ تعلیم بھی کسی استاد سے حاصل نہیں کی تھی۔ (۱۰) وہ مسلمان نہیں بلکہ بارہ برس کی ایک یہودی بچی تھیں۔ (۱۱)

مذکورہ بالا مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ بعض محققین مریم جمیلہ کی فکر کو گذشتہ سے پیوستہ کوئی کڑی نہیں بلکہ قبولِ اسلام کے بعد کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ ہر مینسن نے جس طرح مغرب پر ان کی تنقید پر اظہار خیال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعتِ اسلامی کو اس کا ذمے دار سمجھتی ہیں۔ اسی طرح پیٹرک بون بھی مریم کی فکری پروان میں مولانا مودودی اور دوسرے روایتی مسلم علما کے کردار کو اہمیت دیتے ہیں۔ سید حسین نصر چوں کہ حاشیے میں مریم جمیلہ کے متعلق اپنی رائے پر اظہار خیال کرتے ہیں، اس لیے انھوں نے اس ضمن میں اپنے خیالات

---

8 - Abdelwahab. El-Affendi, *The People on the Edge: Religious Reform and the Burden of the Western Muslim Intellectual* (London: International Institute of Islamic Thought, 2010), 13.

9- Patrick D. Bowen, *A History of Conversion to Islam in the United States, Volume 1; White American Muslims before* 1975, vol. 1 (Boston: Brill, 2015), 342.

۱۰- مذہب کے متعلق ایک دو نصابی مضامین پڑھنے کے علاوہ جوانی تک مریم جمیلہ نے مذہب کی کوئی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ بالخصوص اسلام کے متعلق ان کی معلومات ان کے ذاتی مطالعہ کی مرہون منت تھیں۔

11- Maryam Jameelah, *Ahmad Khalil: The Story of a Palestinian Refuge and His Family* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1979).

تفصیل سے قلم بند نہیں کیے۔ عبد الوہاب آفندی کا بنیادی موضوع بھی چوں کہ مریم جمیلہ کی شخصیت نہ تھا، اس لیے انھوں نے بھی چند ایک جملوں ہی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے؛ البتہ انھوں نے یہ اشارہ ضرور دیا ہے کہ وہ اپنے رویے کا ذمے دار اپنے گھرانے پر ریفارم یہودیت کے اثرات کو ٹھہراتی ہیں۔ ایسپوزیٹو کے خیال میں صرف اسلام نہیں، بلکہ دیگر مذاہبِ عالم کا مطالعہ کرتے وقت بھی مریم قدامت پرستانہ انداز ہی میں بات کرتی ہیں، اس لیے یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ امریکہ کے جدید معاشرے میں مریم جمیلہ نے روایت، بنیاد یا قدامت پسندانہ انداز ہی میں مذاہبِ عالم کو پڑھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ کن عوامل نے انکے فکری اور ذہنی ارتقا میں اپنا کردار ادا کیا؟

مختصر حالات زندگی(۱۲)

مریم جمیلہ ۲۳/ مئی ۱۹۳۴ء کو امریکہ کے شہر نیویارک میں پیدا ہوئیں۔ ان کا پیدائشی نام مارگریٹ مارکس Margaret Marcus تھا۔ آپ ایک جرمن النسل ریفارم یہودی خاندان کی چشم و چراغ تھیں جو ۱۸۴۸ء سے ۱۸۶۰ء کے درمیان معاشی استحکام کے لیے جرمنی سے امریکہ آیا تھا۔ اگرچہ مریم ایک پیدائشی یہودی تھیں مگر چوں کہ ان کا خاندان عیسائی طرزِ حیات اختیار کر چکا تھا، اس لیے بچپن میں انھیں یہودیت کے متعلق بہت کم علم تھا۔ ان کا خاندان مشہور یہودی تہوار ہنوکا(Hanukkah) اور یوم کپور(Yom Kippur)وغیرہ تو نہیں مناتا تھا مگر ایسٹر اور کرسمس کے تہوار پورے ذوق و شوق سے منائے جاتے تھے۔(۱۳) وہ لکھتی ہیں جس طرح اُن کا خاندان جرمنی میں اپنے ہم عصر یہودیوں کی طرح(۱۴) معاشرے میں پوری طرح گھل مل گیا تھا(۱۵) اسی طرح اُن کے گھرانے نے امریکی طرزِ زندگی کو بھی پوری دل جمعی سے قبول کیا اور یہاں کی تہذیب و ثقافت میں رچ بس گئے جو کہ ماضی کی یہودی روایت کے برعکس تھا۔ مریم کے والد ہربرٹ مارکس اور والدہ مائرہ مارکس کا تعلق یہودی

۱۲- مریم جمیلہ کے ذہنی و فکری ارتقا کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے واقعات اور سیاق و سباق سے واقفیت ہو تاکہ یہ معلوم کرنے میں آسانی ہو کہ وہ کس قسم کے ماحول میں پلی بڑھیں، اس لیے مریم جمیلہ کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے ان عوامل کو زیادہ فوقیت دی گئی ہے جو ان کے ذہنی اور فکری ارتقا سے عبارت ہیں۔

13- Maryam Jameelah, *Memories of Childhood in America: The Story of One Western Convert's Quest for the Truth* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1989), 9-11.

14- Marion A Kaplan, *Jewish Daily Life in Germany* 1618–1945 (New York: Oxford University Press, 2005), 84.

15- Maryam Jameelah, *Islam in Theory and Practice* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1978), 3.

مذہب سے زیادہ گہرا نہ تھا۔ پہلے انھوں نے Ethical Cultural Society میں شمولیت اختیار کی اور پھر مریم کی بہن اور اس کے شوہر والٹر کی طرح یونیٹیرین چرچ Unitarian Church کی رکنیت اختیار کر لی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں مریم کے والد بڑی حد تک لادینی نظریات کے حامی بنتے چلے گئے۔(16)

جب مریم جمیلہ سات برس کی ہوئیں تو جنگ عظیم دوم چھڑ گئی۔ مائرہ کے مطابق ننھی مریم کے لیے جنگ کے تجربات بہت خوف ناک رہے جو اُن کے اعصاب پر اپنا گہرا اثر چھوڑ گئے۔ وہ جنگ میں ہونے والی تباہ کاریوں سے چھوٹی سی عمر میں بھی پوری واقفیت رکھتی تھیں اور اچھی طرح جانتی تھیں کہ جنگ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ لے کر آئے گی۔ امریکی تہذیب و ثقافت نے کبھی بھی مریم کو متاثر نہیں کیا۔ انھوں نے امریکی معاشرے میں ایک کھوکھلا پن محسوس کیا جو رفتہ رفتہ اُن کو مغربی طرزِ حیات سے بیگانہ کرتا گیا۔ مریم جمیلہ کے خیال میں اُن کا بچپن قدرے انوکھا، غیر معمولی اور عام امریکی بچوں کی نسبت بہت مختلف تھا۔ اُن کے گھرانے کے دوسرے افراد، خاص طور پر ان کے والد اور والدہ شراب پیتے تھے، مگر مریم، شراب سے نفرت کرتی تھیں۔(17) اُن کا زیادہ تر وقت کتابوں کے مطالعے میں صرف ہوتا تھا، اسی لیے بچپن ہی سے انھیں موسیقی اور رقص و سرود کی محفلوں میں دل چسپی پیدا نہ ہوئی بلکہ لڑکوں کے ساتھ گھل مل کر رقص کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتی تھیں۔ مریم جمیلہ صرف والدین کے اصرار پر مختلف قسم کی رقص کی کلاسوں میں شریک ہوتیں تاکہ "معاشرتی آداب" سیکھ سکیں۔ جان ایسپوزیٹو نے مریم کی حساس طبیعت اور نفسیات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ کئی وجوہات کی بنا پر ایک بہت الگ اور غیر معمولی طبیعت رکھنے والی لڑکی تھی، جو نفسیاتی اور سماجی اعتبار سے بیمار تھی۔ اُن کو اپنی تہذیب و ثقافت سے بہت گلے شکوے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ایک بہت ذہین لڑکی بھی تھی۔ انھوں نے خود کو ایک متوسط طالب علم اور ایک اچھا شہری ثابت کیا تاہم وہ اپنے معاشرتی حالات کے مطابق خود کو ڈھال نہ پائیں۔ ان سب اشیا نے اُن کی شخصیت، ذہانت اور مذہبی رجحان کو متاثر کیا جس کے اثرات تمام عمر ان کی زندگی پر رہے۔(18)

اگرچہ مریم جمیلہ کو پاپ میوزک سے نفرت تھی، لیکن کلاسیکی موسیقی سننا انھیں نہایت پسند تھا۔ وہ مشہور مصری گلوکارہ ام کلثوم کی بہت مداح تھی۔ انھیں عرب موسیقی کے ساتھ ساتھ یونانی، ترکی، ہندی، ایرانی اور آرمینی موسیقی بھی بہت پسند تھی۔ بچپن ہی سے مریم کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ جدید طرزِ حیات اور

---

16 - Jameelah, *Memories*, 208.

17 - Ibid., 183.

18 - Esposito and John, po.cit., 54-55.

عیسائی بنیادوں پر استوار امریکی تہذیب و ثقافت نے یہودیت کو تبدیل کر دیا ہے، جس کی وجہ سے یہودی اپنی مذہبی شناخت کھو رہے ہیں۔ اُن کے دل میں اس بات کے اندیشے جنم لینے لگے کہ جدیدیت کا یہ دور دوسری اقوام میں بھی مذہبی اور روحانی اقدار کا فقدان پیدا کر دے گا، اس لیے انھوں نے یہ ٹھانی کہ وہ مشرق کا دورہ کریں گی تاکہ اہلِ مشرق کو عیسائی مشنری کی یلغار سے بچا سکیں اور انھیں بتا سکیں کہ وہ اپنا سادہ اور آسان طرزِ حیات نہ چھوڑیں۔[۱۹] وہ اپنی بہن کو ایک خط میں لکھتی ہیں کہ امریکہ ایک نسبتاً پر سکون جگہ ہوتی اگر یہاں امریکیوں کے بجائے ریڈ انڈینز حکم ران ہوتے، کیوں کہ وہ فطرت کی حفاظت کے لیے اس کے قریب رہنا پسند کرتے تھے۔ علاقے میں بہنے والی ایک جھیل کا پانی فیکٹریوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی آلودگی سے سیاہ ہوتا دیکھ کر انھیں ریڈ انڈینز کا دور یاد آتا، جب ان کے خیال میں اس جھیل کے صاف و شفاف پانی میں مچھلیاں تیر رہی ہوتیں۔ اُن کا خیال تھا کہ ریڈ انڈینز وحشی قبائل نہ تھے، بلکہ وہ "سفید فام" حکم رانوں کی نسبت زیادہ فہم و فراست کے مالک تھے، اسی لیے وہ فطرت کے قریب رہنے کے قائل تھے۔ وہ مزید لکھتی ہیں کہ امریکہ، ریڈ انڈینز کے دور میں بہت خوش گوار جگہ تھی، جہاں فطرتی خوب صورتی کے دل کش مناظر ہوا کرتے تھے تاہم جب "سفید فاموں" نے یہاں کی حکم رانی سنبھالی جنگلات اور فطرتی خوب صورتی کو ختم کرتے چلے گئے۔[۲۰]

دورانِ تعلیم مریم ایک پلاسٹک فیکٹری میں کام کرتی رہیں، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے عیسائی رہ نماؤں کے پلاسٹک کے بیج اور صلیبیں وغیرہ بنائی جاتی تھیں، لیکن وہ فیکٹری کے کام سے بہت بے زار تھیں اور اس میں ان کا دل بالکل بھی نہیں لگتا تھا۔ مشینی انداز میں ایک ہی کام کرتے رہنے سے اُن کے اندر مشینوں کے لیے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کام نے مریم کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ "یہ بڑی، بدصورت، کریہہ، نہایت گندی اور شور کرتی لوہے کی ظالم عفریتیں، جن پر انھیں کام کرنا پڑتا ہے، اُن کو اس بات پر قائل کرتی ہیں کہ صنعتی انقلاب ایک

---

19 - Jameelah, *Memories*, 9.

۲۰- اپنے ایک تحقیقی مقالے میں Sabine Hofmeister لکھتی ہیں کہ جدید دور کے انسان نے پہلے پہل فطرت کو صرف ایک مادی فائدے کی شے سمجھا لیکن اب یورپی لوگوں کے رویوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فطرت کو بطور تہذیب اپنانا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سیاحت، فطرت کی خوب صورتی کا خیال اور ماحولیاتی تعلیم ہے۔ مریم نے شاید اس امر کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا کہ مادیت پرستی فطرتی حسن کو پامال کر رہی ہے اس لیے چھوٹی عمر میں بھی انھوں نے اپنی بہن کو اپنے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے فطرت کی حفاظت پر زور دیا۔ مزید تفصیلات جاننے کے لیے دیکھیے:
Sabine Hofmeister, "Natures Running Wild: A Social-Ecological Perspective on Wilderness," *Nature and Culture* 4, no. 3 (2009).

خوف ناک غلطی تھی۔"[21] بعد ازاں جب وہ نیویارک یونی ورسٹی میں تھیں تو علمِ آثار قدیمہ کا شوق بھی انھیں گھیرے رہا۔ مریم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ جدید امریکی طرزِ زندگی کی بجائے سادہ زندگی گزارنے والے لوگوں میں رہیں اور اُن کے حالات اور عادات کا مشاہدہ کریں۔ اس امر نے اُن کے شوق کو مزید ابھارا اور سادہ عرب ثقافت کی طرف مزید مائل کر دیا، لیکن وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکیں کیوں کہ اعصابی دورے نے انھیں ہسپتال پہنچا دیا۔ دورانِ علاج مختلف معالجوں کے رویے بھی اُن کی ذہنی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔ وہ اپنے ایک معالج ڈاکٹر ہارپر کے متعلق لکھتی ہیں کہ وہ اُن کی بیماری کو سمجھنے کی بجائے سگمنڈ فرائڈ[22] (۱۸۵۶ء-۱۹۳۹ء) کی تعلیمات کے زیرِ اثر ہر بات کو جنسیات سے جوڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کو اس بات پر حیرت تھی کی مریم اتنی بڑی ہو جانے کے باوجود کنواری کیوں ہیں؟ اس لیے ڈاکٹر ہارپر کا خیال تھا کہ مخالف جنس مریم کی بیماری کی اصل وجہ تھا۔ مریم جمیلہ لکھتی ہیں کہ ڈاکٹر ہارپر کے رویے سے ایک بات اُن پر عیاں ہو گئی کہ یہ صرف مذہبی لوگ ہی نہیں جو بنیاد پرست اور کٹر ہوتے ہیں، "جو لوگ خود کو سائنسدان اور ڈاکٹر کہتے ہیں وہ بھی اسی نشے کا شکار ہیں۔"[23]

مریم جمیلہ کی امریکہ میں گزری زندگی، کتابوں کے حوالوں اور مختلف شخصیات کو لکھے گئے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ اگرچہ سکول میں انھوں نے زیادہ تر سیکولر تعلیم ہی حاصل کی تھی، لیکن اپنی زندگی کے ابتدائی ایام ہی سے انھوں نے **عہد نامۂ قدیم** اور **عہد نامۂ جدید** کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ بعد ازاں یہودیت کی سمجھ، حیات بعد الموت اور زندگی کی کے مقصد کی تلاش نے مریم کو مذاہبِ عالم کی کتبِ مقدسہ کی طرف راغب کیا۔ ابتدا میں انھوں نے **عہد نامۂ قدیم** سے اپنے سوالات کے حل تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن جب اُن کی تشفی نہ ہو سکی تو انھوں نے دوسرے مذاہب کی کتب کا مطالعہ کرنے کی ٹھانی۔[24] بیماری کے دوران مریم نے قرآن مجید کے مختلف تراجم کا مطالعہ کیا جن میں محمد مارماڈیوک پکھتال[25] ۱۸۷۵ء- ۱۹۳۶ء کا ترجمہ انھیں بہت پسند آیا۔ اس ترجمے سے انھیں اپنے بیش تر سوالوں کے جوابات مل گئے اور اُن میں اسلام قبول کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی، تاہم والدین کے اصرار

21- Jameelah, *Memories*, 74.

۲۲- سگمنڈ فرائڈ ایک آسٹرین مفکر اور ماہر نفسیات تھے جنھیں تحلیلِ نفسی کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

23- Jameelah, *Memories*, 101.

24 - Maryam Jameelah, *Islam Versus Ahl Al-Kitab: Past and Present* (Delhi: Taj Company, 1993), xxiv.

۲۵- محمد پکھتال ایک مشہور صحافی، عالم اور مترجم تھے جنھوں نے *Meanings of The Glorious Quran* کے نام سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کیا تھا۔ وہ خود بھی ایک نو مسلم تھے جنھوں نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔

اور معاشرتی رویوں نے انھیں اس سے روکے رکھا۔[۲۶] اُن کے والدین صیہونیت کے علم بردار تھے جب کہ مریم کا خیال تھا کہ صیہونیت، عربوں اور یہودیوں میں ناچاقی کی ایک بڑی وجہ تھی۔ فلسطین پر قبضے کا صیہونی خواب مذہبی لگن کی وجہ سے نہیں، بلکہ صرف زمین کے حصول کے لیے تھا۔[۲۷] دیر یاسین میں پُر امن مسلمانوں کے قتلِ عام[۲۸] نے اُن کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ایک ریفارم یہودی ہونے کے باوجود[۲۹] وہ صیہونیت سے سخت نفرت کرنے لگیں۔ انھیں اس ضمن میں کی گئیں تقریریں، بنائی گئی فلمیں اور مغربی مصنفین کی دلیلیں غیر معقول اور فرسودہ نظر آتی تھیں۔

ایک دفعہ جب انھوں نے اپنے والد کو United Jewish Appeal (جو صیہونی مقاصد کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی ایک تنظیم تھی) کے لیے ۲۰۰ ڈالر کا چیک لکھتے دیکھا تو وہ آپے سے باہر ہو گئیں۔ مریم کا خیال تھا کہ اُن کے والد اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جو رقم وہ خیرات کے طور پر دے رہے ہیں، اس سے عربوں کو قتل کرنے کے لیے ہتھیار خریدنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ لیا جائے گا، لیکن مریم کے والد نے انھیں یہ کہہ کر بہلانا چاہا کہ یہ رقم خالصتاً انسانیت کی فلاح کے لیے ہے اور اس سے اُن لوگوں کے دکھ دور کرنے میں مدد ملے گی جو دور دراز کے علاقوں سے آکر اسرائیل میں بس رہے ہیں۔ والدہ نے بھی اس بات میں اپنے خاوند کا ساتھ دیا۔ ”آپ

۲۶- Maryam Jameelah, Maryam Jameelah, *Islam and Modernism* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan & Sons, 1988), xi.

۲۷ -*Islam Versus Ahl Al-Kitab: Past and Present*, 52-53.

۲۸- ۱۹۴۸ء میں دیر یاسین کے پُر امن فلسطینی باشندوں کے قتلِ عام کو علامتی طور پر فلسطین کی تباہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Matthew Hogan, "The 1948 Massacre at Deir Yassin Revisited," *Historian* 63, no. 2 (2001): 1; Donald E. Wagner and Walter T. Davis, *Zionism and the Quest for Justice in the Holy Land* (Cambridge: Lutterworth Press, 2014), 206.

۲۹- آرتھوڈاکس یہودیوں کی ایک بڑی تعداد، طاقت کے زور پر اسرائیل کے قیام کے سخت خلاف تھی کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ خدا کی مرضی کے بغیر ایسا کرنا درست نہیں، جب کہ امریکی ریفارم یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کے لیے بہت دل جمعی سے کام کیا، مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Dana Evan Kaplan, *American Reform Judaism: An Introduction* (London: Rutgers University Press, 2003), 16; Thomas Kolsky, *Jews against Zionism: The American Council for Judaism, 1942-1948* (Philadelphia: Temple University Press, 1990).

جانتے ہیں کہ یہ رقم اس لیے ہے کہ اسرائیلی فوج کے لیے ہتھیاروں کے حصول میں مددگار ہو۔ آپ معصوم عربوں کو محروم اور قتل کر رہے ہیں"[۳۰] مریم نے چلاتے ہوئے جواب دیا۔ اُن کے والد کو مریم کا رویہ سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے اپنی بیٹی کو پہلے تو اپنے کمرے میں جانے کا کہا اور بعد میں علاحدہ رہائش کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ ہربرٹ مارکس کا خیال تھا کہ مریم اور اُن کا سوچنے کا انداز اور عادات بہت مختلف ہیں، اس لیے اُن کا الگ رہنا دونوں کے لیے بہت اچھا ہو گا۔ تاہم والدین سے علاحدگی بھی مریم کو صیہونیت کی طرف مائل نہ کر سکی۔ اسی دوران انھوں نے دنیا بھر میں موجود مختلف مسلمان علما کو خطوط لکھنے شروع کر دیے جس سے اُن کا رابطہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ اگرچہ اس وقت تک مریم جمیلہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم اسلام سے محبت اُن کی تحریروں سے عیاں تھی جس کو مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محسوس کیا۔[۳۱] دس سال کی طویل ذہنی کشمکش کے بعد انھوں نے ۲۴ مئی ۱۹۶۱ء کو عید الاضحیٰ کے دن دو گواہوں کی موجودگی میں شیخ داؤد احمد فیصل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ دو سال بعد اپنے والدین کی اجازت سے انھوں نے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کش پر امریکہ سے پاکستان ہجرت کی۔

پاکستان میں آکر اُن کے ابتدائی چند سال قدرے پریشانی میں گزرے جس کی بڑی وجہ ان کی بیماری، ماحول سے اجنبیت،[۳۲] مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے سے عدم اتفاق[۳۳] اور پاکستانیوں کی اسلام سے دوری تھی۔ بیماری کی وجہ سے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے مریم کو اپنے دوست راے نعمت علی کے پاس پتوکی بھجوا دیا جو خود لاولد تھے۔ مریم نے تقریباً ایک برس کا عرصہ پتوکی میں گزارا اور وہاں کے ماحول کو نہایت پسند کیا۔ درحقیقت پتوکی کے دیہاتی ماحول میں گزرے دن مریم کو اپنی زندگی کا سب سے خوش گوار حصہ معلوم ہوئے اور انھوں نے اس دور کو اپنی زندگی کا سب سے پر سکون دور گردانا۔[۳۴] ایک انٹرویو کے دوران جب ڈاکٹر حبیب الرحمن

---

30 - Jameelah, *Memories*, 171.

31- M. Jameelah, *Correspondence between Maulana Maudoodi Maryam Jameelah and the Macuses* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1969), 4.

۳۲- اس ضمن میں مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ جب مریم جمیلہ پاکستان آئیں تو ماحول سے اجنبیت کی وجہ سے کافی پریشان تھیں اور بعد میں یہی پریشانی ان کی بیماری میں اضافے کا سبب بھی بنی۔ ڈاکٹر انیس احمد نہ صرف مریم جمیلہ کے ہم عصر ہیں، بلکہ دونوں کے درمیان مختلف علمی موضوعات پر خط و کتابت بھی ہوتی رہی ہے۔
(Prof. Dr. Anis Ahmad, interview by Zohaib Ahmad, Riphah International University, May 9, 2016).

33- Naheeda Siddique, "Oriantalism and Christian Missionaries: A Critique on the View of Maryam Jameelah" (International Islamic University Islamabad, 1995), 11.

34- Maryam Jameelah, *At Home in Pakistan (*1962-1989*) The Tale of an American Expatriate in Her Adopted Country* (Lahore: Adbiyat, 2012), 25.

عاصم[۳۵] سے مریم جمیلہ کے پتوکی میں گزرے ایام کے متعلق سوال کیا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ "پتوکی میں مریم جمیلہ نے نہایت سادہ زندگی بسر کی، یہ اُن کا سیکھنے کا دور تھا،[۳۶] اسی دوران مریم جمیلہ کی بیماری بڑھ گئی جس کی وجہ سے انھیں ہسپتال داخل کروادیا گیا۔ ہسپتال میں اُن کی ملاقات محمد یوسف خان سے ہوئی جن سے بعد میں انھوں نے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے شادی کرلی۔ محمد یوسف خان شادی شدہ تھے، انھوں نے اپنی سابقہ بیوی، شفیقہ سے اجازت لے کر مریم کو بھی اپنے نکاح میں لے لیا۔ مریم کی گھریلو زندگی خوش گوار گزری اور انھوں نے شفیقہ کے ساتھ مل کر بہت سی ذمے داریاں ادا کیں۔ شفیقہ سے مریم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے محمد یوسف خان کو وصیت کی کہ اُن کو شفیقہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ مریم جمیلہ نے گیارہ کتابیں، تیئس کتابچے اور دوسوسے زائد کتابوں پر اپنے تبصرات قلم بند کیے۔ان کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء کو ۷۸ سال کی عمر میں دل کے دورے سے اُن کا انتقال ہوا۔

مذہب سے تعارف

مریم جمیلہ کے والدین کو مذہب سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، جس کی وجہ سے ایک عمر تک تو مریم کو یہ پتا ہی نہ چل سکا کہ کہ مذہب کیا ہے؟ وہ کس مذہب کی پیروکار ہیں اور کیوں ہیں؟ لیکن چوں کہ وہ نیویارک جیسے شہر میں پیدا ہوئیں تھیں جہاں مختلف قومیت، مذہب، نسل، رنگ اور ثقافت کے لوگ آباد تھے اس لیے انھیں بچپن سے ہی اس بات کے بیش تر مواقع ملے کہ وہ لوگوں کے مذہب اور تہذیب و ثقافت کو اچھی طرح جان سکیں۔ مریم جمیلہ کے لیے یہ ایک انوکھا، ناخوش گوار اور حیرت انگیز تجربہ تھا کہ اُن کے عیسائی ہم جماعت اور محلے کے بچے کرسمس اور دیگر عیسائی تہواروں کے موقع پر ان کے خلاف ہو جایا کرتے تھے۔ وہ لکھتی ہیں کہ انھیں اپنے یہودی ہونے کا اس وقت پتہ چلا جب ایک دفعہ ایسٹر کے موقع پر ان کے محلے کے بچوں نے انھیں تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ان کی عمر اس وقت پانچ برس تھی جب اُن کو بھی دوسرے یہودیوں کی طرح "مسیح کے قاتل" کا لقب دیا جانے لگا۔[۳۷]

۳۵- ڈاکٹر حبیب الرحمن عاصم پاکستانی، مسلم محقق اور عالم ہیں جو بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔ پتوکی میں رہائش کے دوران میں ڈاکٹر عاصم کی ملاقات وقتاً فوقتاً رائے نعمت علی سے ہوتی رہتی تھی۔

36- Dr. Habib-ur-Rehman Asim, interview by Zohaib Ahmad, International Islamic University, May 18, 2016.

37-Jameelah, *Memories*, 15.

اگرچہ امریکی عیسائیوں میں یہودیوں سے نفرت کوئی نئی بات نہ تھی، [۳۸] لیکن عیسائی تہواروں کے دنوں میں یہ نفرت نسبتاً بڑھ جاتی اور یہودیوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا۔ بچپن میں ایسے ہی ایک تجربے نے مریم کو بھی اُن کے یہودی ہونے کا احساس دلایا اور وہ تقابلِ ادیان کے موضوع میں دل چسپی لینے لگیں۔ فاطمہ زہرا اپنے ایم اے کے مقالے میں لکھتی ہیں کہ اس قسم کے تجربات سے انھیں "یہ جاننے کا شوق پیدا ہوا کہ یہودی اور عیسائی الگ کیسے ہیں؟ اور ان میں اختلافات کی کیا نوعیت ہے؟ مذہب در حقیقت کیا ہے؟" [۳۹] گھر میں روحانی فضا کی کمی، سکول میں یہودیوں کی دکھ بھری داستانوں کے ساتھ ساتھ بائبل میں موجود تاریخی کہانیوں نے ان کے مزاج پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ والدہ کے مطابق یہی وہ بڑے عوامل تھے، جنھوں نے مریم کو بعد ازاں مذہب کی طرف راغب کیا اور مغربی تہذیب و ثقافت سے بھی دور کر دیا۔ والدہ نے یہ بھی محسوس کیا کہ مریم ابتدا ہی سے ذہین تو تھی، مگر اس کے ساتھ وہ ایک قدامت پسند لڑکی بھی تھی جو گھر میں روحانیت کی کمی کی شکایت کرتی رہتی تھی۔ [۴۰]

مریم کے لیے امریکہ میں بسنے والے آرتھوڈاکس یہودیوں کی تنقید بھی مذہبی میلان کا سبب بنی۔ ایک دفعہ جب ان کی ایک سہیلی جولیا کو "شول" Shul اور بینوکا سے متعلق مریم کی لاعلمی کا پتا چلا تو وہ سخت برہم ہوئیں اور انھیں جاہل اور برا یہودی کہنے لگیں۔ نہ صرف جولیا بلکہ ارد گرد بسنے والے اور بھی بہت سے یہودیوں نے مریم کی یہودی مذہب سے لاعلمی پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا، مگر اُن کی کتابوں سے کسی ایسے رویے کی نشان دہی نہیں ہوتی کہ وہ اس تنقید پر برہم ہوتی تھیں، البتہ اس بات کا انھیں دکھ ضرور ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ یوم کپور کے موقع پر پارک میں جھولا جھول رہی تھیں تو اُن سے کسی بڑے نے پوچھا کہ وہ سکول کیوں نہیں گئیں؟ مریم نے انھیں بتایا کہ یوم کپور کی وجہ سے انھوں نے سکول سے چھٹی کی ہے، لیکن بڑے میاں کا خیال تھا کہ پارک میں مریم کی موجودگی سے بہتر تھا کہ وہ سینا گاگ میں دوسرے یہودیوں کی طرح عبادات میں مشغول ہوتیں۔ مریم نے اس موقع پر سخت شرمندگی محسوس کی کہ وہ یہودی ہونے کے باوجود یہودی روایات اور طرزِ حیات کی پیروی نہیں کر رہیں۔ اس دن کے بعد یہودی مذہبی تہواروں کے موقع پر وہ گھر ہی میں رہنے کو ترجیح دینے لگیں۔ کالج کے دنوں میں بھی اُن کو ایسے ہی ایک موقع پر سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اپنی ایک استانی سیویا کی زیر نگرانی ہونے والے ایک ڈرامے

۳۸- یہودیوں سے نفرت امریکی تاریخ کا ایک جزو رہی اور امریکی عیسائیوں کا طرز عمل اس کا ایک بڑا سبب تھا۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Leonard Dinnerstein, *Antisemitism in America* (New York: Oxford University Press, 1994), viii-ix.

۳۹- فاطمہ الزہراء، **مریم جمیلہ: دینی و علمی خدمات** (لاہور: جامعہ پنجاب، ۲۰۱۰)، ۶۔

40- Jameelah, *Memories*, 7.

میں شریک تھیں جس کا موضوع ریفارم یہودیوں کے طرزِ حیات، مذہب سے ان کی دوری اور عیسائی تنظیموں میں ان کی شرکت پر تنقید تھا۔ مریم کو اُن کے سامنے یہ اعتراف کرتے سخت شرمندگی ہوئی کہ وہ بھی ایک ریفارم یہودی ہیں۔ اگرچہ مریم نے یہ کہہ کر اپنے بچاؤ کی کوشش کی کہ ایک اچھے یہودی کی طرح انھوں نے کبھی سور کا گوشت نہیں کھایا مگر جب سیویا نے اُن سے پوچھا کیا وہ کوشر یعنی دودھ اور گوشت کے الگ استعمال کرنے اور صرف ذبیحہ کھانے کے یہودی قانون کی پیروی کرتی ہیں؟ تو اس بات کا جواب مریم کے پاس نہ تھا۔ انھیں نہایت شرمندگی سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ وہ ایسا نہیں کرتیں جس پر سیویا نے انھیں ایک ”برا یہودی“ کہا۔[۴۱]

بچپن میں اور بہت سے معاملات کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی امور میں بھی اپنے گھرانے سے نسبتاً مختلف سوچ رکھتی تھیں۔ اگرچہ وہ مذہب کا تنقیدی مطالعہ کرنے کی شروع ہی سے حامی رہیں ہیں مگر وہ کسی بھی مذہب کا مذاق اڑانے یا اس کو برا بھلا کہنے کے سخت خلاف تھیں۔ ایک خط میں وہ اپنی بہن کے رویے پر تنقید کرتے ہوئے اس کو بھی اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ انھیں دوسروں کے مذہب کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ دورانِ تعلیم بعض اساتذہ کے مذہب مخالف رویے بھی مریم کی جدیدیت سے نفرت اور مذہب سے رغبت کا سبب بنے۔ وہ اپنے ایک استاد کے متعلق لکھتی ہیں کہ ڈاکٹر شوپ لادینیت کے بہت بڑے حامی تھے اور کلاس میں موجود بچوں کو مذہب سے دور کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ سائنس نے ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کرتے ہوئے فطرت کے بہت سے راز انسان پر آشکار کر دیے ہیں۔ اس لیے اب لوگوں کو زیادہ عرصہ خدا کی ضرورت نہیں رہے گی اور وہ اس کے خیالی تصور سے باہر نکل آئیں گے۔ مریم کو ڈاکٹر شوپ کی باتیں سن کر مشہور برطانوی مصنف اور فلسفی ایڈکس ہگزلی (۱۸۹۴ء-۱۹۶۳ء) کا ناول Brave New World (نئی بہادر دنیا) یاد آ جاتا جس میں مصنف نے بھی اسی قسم کی پیش گوئیاں کی تھیں۔ انھیں یہ باتیں سخت ناگوار گزرتیں اور وہ ڈاکٹر شوپ کے رویے کو منافقانہ سمجھتیں۔ مریم جمیلہ لکھتی ہیں کہ ”میں نہیں جانتی کیوں؟ مگر جو کچھ ڈاکٹر شوپ نے پڑھایا ہے اس کی وجہ سے میرے اندر سائنس اور ٹیکنالوجی کی 'ترقی' کے لیے سخت نفرت اور غیر یقینیت ہے۔“[۴۲]

مطالعۂ یہودیت

مریم جمیلہ کا خاندان، ایک مشہور جرمن یہودی فلاسفر، موسیٰ مندلسون (۱۷۲۹-۱۷۸۶) کی روشن خیال تنظیم ہشکالا (Haskalah) کا پیروکار تھا۔ مندلسون کو ریفارم یہودیت کے بانیوں میں سے تصور کیا جاتا ہے اس لیے مریم کا خاندان بھی خود کو ریفارم یہود کہا کرتا تھا اور سیناگاگ (Synagogue) کے بجائے ریفارم

41- Ibid., 56-57.
42 - Ibid.

معبد[۴۳] (Reform Temples) اُن کی عبادات کے مراکز تھے۔[۴۴] مریم نے مندلسون کی تعلیمات کا گہرا اثر نہ صرف اپنے گھرانے بلکہ اردگرد کے امریکی ریفارم یہودیوں پر بھی محسوس کیا۔ مندلسون نے ایک مصلح کی طرح اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مذاہبِ عالم کو سمجھنے اور اپنے یہودی بھائیوں کو مشکلات سے نکالنے پر صرف کر دیا۔ مریم کی پیدائش سے دو صدیاں قبل جرمنی کے یہودیوں کو عبرانی اور یدیش کے سوا کسی اور زبان کے سیکھنے یا سکھانے سے سختی سے منع کیا جاتا تھا۔ نہ صرف دوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ ان کے لیے محرمات کا درجہ رکھتی تھیں[۴۵] بلکہ عبرانی یا یدیش کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھی گئی کوئی بھی کتاب اگر کسی یہودی کے ہاتھ میں دیکھ لی جاتی تو یہودی ربی اسے شہر بدر دیتے۔[۴۶] یہودیوں کے لیے یہ وقت بہت کڑا تھا۔ وہ جرمن حکومت کی لگائی گئی پابندیوں کی وجہ سے دوسروں سے الگ تھلگ رہنے پر مجبور تھے، اُن کی رہائشی کالونیاں، زبان اور لباس تک دوسروں سے جدا تھا۔[۴۷] وہ ما سوائے چند مخصوص پیشوں کے کوئی دوسرا کاروبار نہ کر سکتے تھے۔ مندلسون نے جرمنی کے یہودیوں کو نہ صرف مذاہبِ عالم کے مطالعے اور دوسری زبانوں کو سیکھنے کی ترغیب دی، بلکہ حکومتی سطح پر ان کے حقوق کے لیے بھی آواز اٹھائی۔[۴۸] انھوں نے ہشکالا کے ذریعے بکھرے ہوئے یہودی علما کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔[۴۹] عقلیت پسندی کی وکالت، بھائی چارے کا فروغ اور جدید دور کے تقاضوں

۴۳- اسرائیل جیکب سن (۱۸۲۸-۱۷۶۸) پہلے آدمی تھے جنھوں نے جرمنی میں اپنے سکول کے ساتھ پہلا ریفارم معبد بنایا۔ اس ریفارم معبد کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عبادت کے لیے عبرانی زبان ضروری نہ تھی۔ مزید براں مرد وزن قطع نظر اس کے کہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی ایک ساتھ اکٹھے عبادت کر سکتے تھے۔ اس بارے میں مزید جاننے کے لیے دیکھیں:
Harris Franklin Rall and Samuel Solomon Cohon, *Christianity and Judaism Compare Notes* (London: Macmillan, 1927), 78.

44- Jameelah, Memories, 11.

45- Gertrud Reershemius, "Jewish Culture and Literature," in Encyclopedia of German Literature, ed. M. Konzett (Chicago: Taylor & Francis, 2015), 532.

46- Emanuel Schreiber, Reformed Judaism and Its Pioneers: A Contribution to Its History (Carolina: Biblio Bazaar, 2012), 14.

۴۷- جرمنی کے یہودی ایک مخصوص قسم کا لباس اور ہیٹ لینے کے پابند تھے تاکہ انھیں بطور یہود شناخت کیا جا سکے۔ مزید تفصیلات جاننے کے لیے دیکھیں:
Cecil Roth, *The Jewish Contribution to Civilization* (New York: Harper & Brothers Publishers,, 1940), 37-39.

48- Joseph A. Biesinger, *Germany: A Reference Guide from the Renaissance to the Present* (New York: Facts On File, Incorporated, 2006), 564.

49- Steven M. Lowenstein, *The Berlin Jewish Community Enlightenment, Family, and Crisis,*1770-1830 (New York: Oxford University Press, 1994), 37.

سے ہم آہنگ ہو کر یہودیوں کو ترقی کی راہ پر گام زن کرنا ہشکالا کا مقصد تھا۔ اگرچہ مندلسون کی تحریک وہ واحد عامل نہ رہی ہو گی جس نے جرمنی کے یہودیوں کو مشکلات سے نکالا البتہ اس تحریک کا اثر ان کی زندگیوں پر بہت گہرا تھا۔[۵۰]

مندلسون نے اپنے یہودی بھائیوں کو جرمن زبان سکھانے کے لیے عبرانی بائبل کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا۔ ابتدا میں مندلسون کو یہودی ربیوں کی جانب سے بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا[۵۱] مگر جلد ہی بہت سے مذہبی رہ نماؤں نے اُن کی کوششوں کو سراہنا شروع کر دیا۔[۵۲] اُن کے ترجمے نے یہودیوں کو جرمن تہذیب میں ضم ہونے میں مدد دی، لیکن شاید مندلسون یہودیوں کی مذہبی زندگی پر جرمن تہذیب و ثقافت کے اثر سے پوری طرح آگاہ نہ تھے، اُن کی کوششوں سے جرمن یہودیوں نے سیکولر تعلیم حاصل کرنا تو شروع کر دی، مگر روایتی یہودی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا، جس کی وجہ سے ۱۸۳۰ء میں جرمنی کے تمام یشیوا (یہودی مدارس) بند ہو گئے۔[۵۳]

ایک طرف تو **ہشکالا** نے جرمنی کے یہودیوں کو جدیدیت کے تقاضوں سے روشناس کروایا اور دوسری طرف کتبِ مقدسہ کی زبان تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جرمنی کے یہودیوں نے شہری حقوق تو حاصل کر لیے، مگر عیسائی جرمنی میں خود کو ضم ہونے سے نہ بچا سکے۔ مندلسون کی اصلاحی تحریک نے جرمن یہودیوں کی تبدیلیِ مذہب میں بہت اہم کردار ادا کیا۔[۵۴] اگرچہ مندلسون نے اپنے آبائی مذہب کو نہیں چھوڑا، مگر ان کے بعد آنے والی نسلیں اپنے مصلح کے نقشِ قدم پر نہ چل پائیں اور جرمنی کی عیسائی ثقافت کی طرف تدریجاً مائل ہوتی گئیں۔ پہلے انھوں نے ہلاخا Halacha یعنی یہودی قانون کی پیروی چھوڑی اور پھر ایک بڑی تعداد نے اپنے آبائی مذہب سے

---

50 - Moses. Mendelssohn and Michah Gottlieb, *Moses Mendelssohn: Writings on Judaism, Christianity, and the Bible* (New Hampshire: Brandeis University Press, 2011), xi.

۵۱۔ ابتدا میں مندلسون کے ترجمے پر ربیوں نے پابندی لگا دی تھی اور یہودیوں کے لیے اس ترجمے کے استعمال کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ مزید تفصیلات جاننے کے لیے دیکھیے:

Meir Hildesheimer, "The Attitude of the Hatam Sofer toward Moses Mendelssohn," Proceedings of the American Academy for Jewish Research 60 (1994): 148; Louis Jacobs, What Does Judaism Say About ...? (New York: Quadrangle, 1973), 75.

52- Paul Spalding, "Toward a Modern Torah: Moses Mendelssohn's Use of a Banned Bible," Modern Judaism 19, no. 1 (1999): 75.

53 - Steven M. Lowenstein, "Joseph Ben-David's Hungary and Mendelssohn's Berlin," Jewish History 11, no. 1 (1997): 127.

54 - Deborah Sadie Hertz, Jewish High Society in Old Regime Berlin (Syracuse: Syracuse University Press, 2005), 9.

کنارہ کشی اختیار کر لی۔[۵۵] نہ صرف دوسرے یہودی بلکہ مندلسون کے بچے بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم نہ رہ سکے اور انھوں نے بھی عیسائیت اختیار کر لی۔[۵۶] اسی لیے بعض ناقدین ہشکالا کو مغرب میں بسنے والے یہودیوں کی حالیہ مذہبی مشکلات کی ایک بڑی وجہ گردانتے ہیں۔[۵۷] مندلسون کی تحریکِ احیا نے قوم پرستی کے رجحانات کی ترویج کی جسے بعد ازاں صیہونی تحریکوں نے بہت گرم جوشی سے قبول کیا۔ اس لیے بعض محققین صیہونیت کے فروغ میں مندلسون کے کرادار کو نہایت اہم جانتے ہیں۔[۵۸]

مریم جمیلہ مندلسون کی تحریک کے اثرات سے بخوبی واقف تھیں۔[۵۹] جب انھوں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو انھیں محسوس ہوا کہ مندلسون کی طرح سید احمد خان[۶۰] (۱۸۱۷ء–۱۸۹۸ء) اور محمد عبدہ[۶۱] (۱۸۴۹ء–۱۹۰۵ء) نے بھی اپنی اصلاحی تحریکوں میں اسی قسم کے اقدام کیے تھے۔ اس لیے انھوں نے مندلسون، سید احمد خان اور محمد عبدہ کی تحریکوں کے اثرات کا تقابلی مطالعہ کرنے کا سوچا تا کہ مذہبی اور سماجی زندگی پر جدیدیت کے اثرات کو لوگوں پر عیاں کر سکیں۔[۶۲] وہ مندلسون کی تحریکِ جدیدیت کے بارے میں اظہار خیال کرتی ہیں کہ "اگرچہ یہ لوگ میرے عالی مرتبہ آباؤ اجداد میں سے ہیں مگر میرے لیے قابلِ فخر نہیں ہیں۔"[۶۳] راقم الحروف نے مریم جمیلہ کی ذاتی

55- Lowenstein, "Joseph Ben-David's Hungary and Mendelssohn's Berlin," 126.

56 - Chaim Schloss, 2000 Years of Jewish History: From the Destruction of the Second Bais Hamikdash until the Twentieth Century (Jerusalem: Feldheim Publishers, 2002), 217.

57 - Isaac E. Barzilay, "National and Anti-National Trends in the Berlin Haskalah," Jewish Social Studies 21, no. 3 (1959): 166.

58 - Shulamit Reinharz and Mark A. Raider, American Jewish Women and the Zionist Enterprise (London: Brandeis University Press, 2005), 26.

59 - Maryam Jameelah, Review of Militant Islam, by Godfrey H. Jansen. Muslim World Book Review 1, no. 2 (1981), 19; Islam and Western Society: A Refutation of the Modern Way of Life (Delhi: Adam Publishers & Distributors, 1990), 28.

۶۰ – سید احمد خان برصغیر کے ایک نامور ماہر تعلیم، مصلح، مؤرخ، محقق اور مذہبی عالم گردانے جاتے ہیں۔

۶۱– شیخ محمد عبدہ ایک فقیہ، مصلح، مذہبی عالم اور اسلام میں جدیدیت کے بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۶۲–راقم الحروف نے بھی اپنے ایم ایس کے تحقیقی مقالے (*Marginalization and Reform of Religion: A Comparative Study of Moses Mendelssohn and Syed Ahmed Khan*) میں موسیٰ مندلسون اور سید احمد خان کی اپنے لوگوں کی خدمات اور تحریکوں کا تقابلی مطالعہ کیا۔ جس وقت یہ تحقیق رجسٹر کروائی گئی اس وقت وہ مریم جمیلہ سے متعارف نہیں تھا۔

63- Jameelah, *Islam Versus Ahl Al-Kitab: Past and Present*, 113.

لائبریری میں موجود، ہاتھ سے لکھی چند ایک صفحات کی خود نوشت سوانح میں بھی مندلسون کے نام کو جلی حروف میں لکھا دیکھا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے خاندان پر مندلسون کا کس قدر گہرا اثر محسوس کرتی تھیں۔

امریکی تہذیب و ثقافت کے اثرات کو بھی اس ضمن میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ امریکہ میں ریفارم یہودیت نے ویسے بھی جرمنی کی نسبت زیادہ فروغ پایا۔ چوں کہ امریکہ کے سیکولر معاشرے میں یہودی ربیوں کا زیادہ عمل دخل نہ تھا اس لیے ریفارم یہودیت کو یہاں پھلنے پھولنے کے زیادہ مواقع ملے۔[۶۴] مریم جمیلہ نے سوچا کے وہ آرتھوڈاکس یہودیت کا مطالعہ کریں گی، کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ ریفارم یہودی "منافقانہ" روش اپنائے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے آبائی مذہب سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ وہ نہ اپنے مذہبی قوانین کی پیروی کرنے میں کوئی دل چسپی رکھتے ہیں اور نہ اُن میں سے بہت سوں کو خدا کے وجود ہی پر یقین ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ "اگر میں نے اپنی راہ خود چننی ہے تو میں آرتھوڈاکس فرقے کو منتخب کروں گی کیوں کہ وہ اپنے یہودی ہونے پر شرمندہ نہیں ہیں۔ مجھے مذہب کی نقل نہیں، بلکہ مجھے اصل مذہب چاہیے۔"[۶۵]

جب بھی کوئی آرتھوڈاکس یہودی مریم جمیلہ کو کسی مذہبی کمزوری پر سرزنش کرتا تو وہ بہت شرمندگی محسوس کرتیں اور اپنے "یہودی خدا" سے وعدہ کرتیں کہ وہ اُس کے احکامات کی پوری طرح پابندی کریں گی۔ مذہب سے وابستگی نے اُن کو مائل کیا کہ وہ مختلف مذہبی تحریکوں اور سماجی تنظیموں میں شمولیت اختیار کریں۔ ۱۹۵۳ء میں جب وہ نیویارک یونی ورسٹی میں زیر تعلیم تھیں تو انھوں نے "اسلام میں یہودیت" کے نام سے ایک مضمون پڑھا جس نے انھیں مذاہبِ عالم اور بالخصوص اسلام کے مطالعے کی طرف مائل کیا۔ اسی دور میں اصل یہودیت کو اچھی طرح جاننے کا شوق بھی دامن گیر ہوا، جس کی تکمیل کے لیے انھوں نے آرتھوڈاکس یہودیت کو پڑھنا شروع کیا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے آبائی مذہب کے متعلق جان سکیں، لیکن آرتھوڈاکس یہودیت کے کچھ خاص پہلوؤں مثلاً یہودی نسل پرستی، حیات بعد الموت، خدا کے محدود تصور، شعب اللہ المختار کے نظریے اور صیہونیت وغیرہ نے انھیں یہودیت سے کلی طور پر دور کر دیا۔

---

64 - Kolsky, *Jews against Zionism: The American Council for Judaism*, 1942-1948, 20.

65 - Jameelah, *Memories*, 30.

مطالعۂ عیسائیت

مریم جمیلہ کا گھرانہ عیسائی طرزِ حیات اختیار کر چکا تھا، اس لیے وہ بھی بچپن میں عیسائی اقدار کو ہی اپنائے ہوئے تھیں۔ ایک دفعہ جب ان کی بہن نے انھیں بتایا کہ ایسٹر کے موقع پر رنگین انڈے، چاکلیٹ اور دوسرے تحائف ان کو ایسٹر کا خرگوش نہیں بلکہ ان کے والدین لا کر دیتے ہیں تو مریم جمیلہ کے لیے یہ بات قبول کرنا قدرے دشوار تھی۔ وہ لکھتی ہیں کہ چھے سال کی عمر تک وہ ایسٹر کے خرگوش کی موجودگی پر کامل یقین رکھتی تھیں۔ جب وہ سات برس کی ہوئیں تو ایک دفعہ پھر بہن ہی نے انھیں بتایا کہ سانٹا کلاس بھی محض ایک خیالی کردار ہے اور کرسمس کے موقع پر جو تحائف انھیں ملتے ہیں وہ سانٹا کی جانب سے نہیں، بلکہ اُن کے والدین کی جانب سے ہوتے ہیں، لیکن چوں کہ انھیں ہر کرسمس پر تحائف ملا کرتے تھے تو ان کے نظریات کرسمس کے متعلق اچھے ہی رہے۔ مریم کو اگرچہ کرسمس کا تہوار اور چرچ کی خوب صورت روشنیاں بہت پسند تھیں، مگر انھوں نے ان کو کبھی بھی اپنے عقائد کا حصہ نہ بنایا۔ وہ اپنی ایک ساتھی جولیا بسٹن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ چوں کہ جولیا کا خاندان آرتھوڈاکس یہودی عقائد کا حامی تھا اس لیے وہ ہمارے ساتھ مل کر کرسمس کے گیت نہیں گایا کرتی تھیں۔ جولیا کے لیے یہ بات شرم ناک تھی کہ وہ یہودی ہوتے ہوئے بھی اس گیت کو گائیں جو تثلیث اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کے بیٹے ہونے کے متعلق ہے۔ یہ بات مریم جمیلہ کی سمجھ میں بھی نہ آسکی کہ "کوئی حقیقت میں تثلیث پر کیسے یقین کر سکتا ہے"؟(۶۶)

مریم نے یہ بات بھی شدت سے محسوس کی کہ اگرچہ اُن کے گھرانے نے عیسائی طور اطوار اپنا لیے تھے اور ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ امریکی تہذیب و ثقافت کا جزو بن کر رہیں، لیکن وہ اپنی آبائی اقدار کو چاہتے ہوئے بھی چھوڑ نہیں سکتے تھے اور نہ امریکی معاشرہ اُن کو ایسا کرنے دے سکتا تھا۔ وہ سکول کے ایک قصے کا ذکر کرتی ہیں کہ ایک دفعہ جب ان کی استانی نے اُن سے پسندیدہ شاعر کے متعلق پوچھا تو انھوں نے مشہور عبرانی شاعر خائم نیچمن بیالک (۱۸۷۳ء-۱۹۳۴ء) کا نام لیا اور اُن کی شاعری سے کچھ حوالے دیے جو یہودی عبادات اور طرزِ زندگی سے عبارت تھے۔ استانی کے رویے نے یہ بات مریم پر عیاں کر دی کہ وہ یہودی شعرا کے بجائے اُن سے عیسائی شعرا کے متعلق سننا چاہ رہی تھیں۔ مریم سوچنے لگیں کہ یہودی جتنی بھی کوشش کر لیں وہ امریکہ کے عیسائی معاشرے میں ضم نہ ہو سکیں گے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان ایک واضح فرق ہے جس کو ختم کرنا اُن کے خیال میں ناممکن

---

66 - Ibid., 11.

تھا۔ مریم کو اپنے والدین خود کو دھوکہ دیتے محسوس ہوئے جو امریکی طرزِ حیات کو اپنانے کی ایک فرسودہ سی کوشش کر رہے تھے، وہ لکھتی ہیں: "ہم میں اور ہمارے عیسائی ہمسایوں میں فرق کو مٹانے کے لیے خواہ ہم کتنی بھی کوشش کر لیں، وہ عیسائی ہی رہیں گے اور ہم یہودی ہی، جن کا در حقیقت اُن کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں"۔ (۶۷)

مریم جمیلہ نے اپنے خاندان کے برعکس عیسائیت میں زیادہ دل چسپی نہیں لی۔ اُن کا خیال تھا کہ موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بجائے سینٹ پال کے رائج کردہ اصولوں پر چل رہی ہے۔ سینٹ پال نے عیسائیوں کو پیغمبر کا پیغام بھلا کر اس کی پرستش کی طرف مائل کر دیا ہے۔[۶۸] اس لیے وہ عیسائیت کو انسان کا بنایا ہوا مذہب تصور کرتی تھیں۔ ریفارم یہودیت کے مطالعے، مغربی طرزِ حیات اور صنعتی انقلاب وغیرہ کی وجہ سے اُس وقت تک مریم جمیلہ کے ذہن میں جدیدیت کا ایک منفی عنصر غالب آچکا تھا، اس لیے وہ تجدید عیسائیت کی تحریکوں سے بہت حد تک نالاں تھیں؛ وہ لکھتی ہیں اگرچہ انھیں عیسائی عقائد سے کوئی دل چسپی نہ تھی مگر وہ رومن کیتھولک چرچ کو پسند کرتی تھیں، کیوں کہ امریکہ کے سیکولر معاشرے میں چرچ روحانی اور روایتی اخلاقی اقدار کا محافظ تھا، مگر بعد میں پوپ نے دو ہزار سال سے جاری اقدار کو صرف خود کو "جدید" اور "ترقی پسند" ثابت کروانے کے لیے چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے انھوں نے عیسائیت میں دل چسپی لینی چھوڑ دی۔ (۶۹)

دیگر مذاہب کا مطالعہ

مریم جمیلہ اگرچہ مشرقی اقدار کی دل دادہ تھیں مگر برصغیر اور اطراف کے دوسرے بڑے مذاہب ان کو اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے ان کی تحریروں سے دیگر مذاہب کے بارے میں خاطر خواہ معلومات نہیں ملتیں۔ ابتدا میں انھوں نے بہت سی مذہبی تنظیموں میں شرکت کی تھی جن میں مرزا احمد سہراب کی بہائی تحریک بھی شامل تھی، تاہم بہائیت میں انھیں زیادہ دل چسپی محسوس نہ ہوئی۔ فاطمہ الزہراہ کا خیال ہے کہ شاید جب "مغربی مذاہب" مریم جمیلہ کو مطمئن نہ کر پائے تو انھوں نے "مشرقی مذاہب" کا مطالعہ کرنے کا سوچا اور اسی وجہ سے بہائی تنظیم میں شمولیت اختیار کی، (۷۰) لیکن مریم جمیلہ لکھتی ہیں کہ انھوں نے بہائی تحریک میں شرکت اس کے اسلامی ماخذ اور انسانیت کی برابری کے پرچار کی وجہ سے کی تھی، مگر جب انھوں نے محسوس کیا کہ بہائیت ایسا کرنے میں

---

67 - Ibid., 30.

68 - *Islam Versus Ahl Al-Kitab: Past and Present*, 208.

69 - Jameelah, *Memories*, 161.

۷۰ – فاطمہ الزہراء، **مریم جمیلہ: دینی و علمی خدمات** (لاہور: جامعہ پنجاب، ۲۰۱۰ء)، ۸۔

ناکام رہی ہے تو انھوں نے خود کو اس تحریک سے الگ کر لیا،(۷۱)لیکن اس تحریک کی وجہ سے انھیں قلمی دوستیاں استوار کرنے کے مواقع ملے جس کی وجہ سے دنیا بھر سے بہت سے لوگوں سے ان کا تعارف ہوا، اور یہی روابط بعد میں مولانا مودودی سے خط و کتابت کا ذریعہ بنے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ مریم جمیلہ نے بدھ مت اور ہندو مت کو بھی پڑھا تھا، مگر یہ دونوں مذاہب اُن کو اپنی طرف راغب نہ کر پائے۔ ایسپوزیٹو، مریم کی ابتدائی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں کہ جہاں اُن کو بچپن ہی سے مشرق کے مطالعے کا شوق تھا، وہیں وہ مغربی تہذیب و ثقافت کے متعلق تنقیدی نظر بھی رکھتی تھیں۔ اُن کی مصوری صرف مغربی نہیں بلکہ عالمی تھی جس میں مشرقی ممالک کی اقدار زیادہ نظر آتی تھیں۔(۷۲) بیماری کے دوران ایک خاتون معالج نے جب اُن کی اسلام میں دل چسپی دیکھی تو وہ بہت حیران ہوئیں کہ مریم نے ہندو مت یا بدھ مت کو کیوں نہیں چنا، کیوں کہ اُن کی معالج کے خیال میں اسلام کی بہ نسبت یہ دونوں مذاہب زیادہ "مشرقی" تھے۔ مزید براں، اُن کی معالج نے انھیں اسلام میں تعدد ازواج اور پردے کے قوانین کی سختی کے متعلق بھی بتایا، مگر مریم کی اسلام سے دل چسپی میں کمی نہ ہوئی۔(۷۳) اس سے جہاں اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مریم جمیلہ کا اسلام کو بطور "راہ ہدایت" اختیار کرنا محض اس کے "مشرقی" مذہب ہونے کی وجہ سے نہ تھا، وہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ "مشرق" سے اُن کی انسیت سادہ طرزِ حیات کی وجہ سے تھی۔ یہی وجہ ہے جب بعد ازاں وہ پتوکی میں رہائش پذیر ہوئیں تو انھیں وہاں کا سادہ، دیہاتی ماحول بہت پسند آیا اور انھوں نے پتوکی میں گزرے ایک برس کو زندگی کا سب سے مطمئن دور گردانا۔ مشرقی مذاہب کے متعلق اظہارِ رائے کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں کہ ان مذاہب کے سمجھ میں نہ آنے والے فلسفے اور دنیا کی حقیقت سے انکار(۷۴) کے ساتھ ساتھ ہندو مت میں بت پرستی اور طبقاتی نظام، جب کہ کنفیوشس مت میں آباؤاجداد کی عبادت نے انھیں ان مذاہب کی طرف مائل نہ ہونے دیا، البتہ اُن کا یہ خیال ضرور تھا کہ ابتدا میں تمام مذاہب ایک ہی تھے جو بعد میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔(۷۵)

---

71 - Jameelah, *Islam and Modernism*, ix.

72 - Esposito and John, *Makers of Contemporary Islam*, 55.

73 - Jameelah, *Memories*, 98-99.

74- Maryam Jameelah, *Western Civilization Condemned by Itself: A Comprehensive Study of Moral Retrogression and Its Consequences*, 2 vols., vol. 1 (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1971), XI.

75- Maryam Jameelah, *Islam Versus the West* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1984), 5.

مطالعۂ اسلام

مریم جمیلہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ عرب اور یہودی دونوں حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی اولاد ہیں تو عربوں کو جاننے کے شوق نے انھیں مطالعہِ اسلام کی طرف مائل کیا۔ اُن کے والدین، اساتذہ اور بیش تر دوست چوں کہ مسلمانوں کے متعلق مثبت نظریات نہ رکھتے تھے اس لیے وقتاً فوقتاً اُن کے اسلام دوست رجحان کی سرزنش کرتے رہتے تھے۔ مریم لکھتی ہیں: "امی اور ابو یہ پسند نہیں کرتے کہ میں ہر وقت عربوں کی تصاویر ہی بناتی رہوں۔ وہ سوچتے ہیں کہ میں اپنی تصاویر میں عربوں کو بے نور اور عجیب وضع قطع والا بنا دیتی ہوں کہ وہ بہت غریب، ناتواں اور بھوکے بے حال دکھائی دیتے ہیں جس سے ہر کوئی اُن کے لیے دکھ محسوس کرتا ہے۔"[۷۶] علمِ آثارِ قدیمہ میں دل چسپی رکھنے کی وجہ سے عربوں کے حالاتِ زندگی جاننے کا شوق اگرچہ مریم جمیلہ کو اسلام کے قریب لے آیا تھا مگر مسلمانوں کے متعلق لوگوں کے منفی نظریات کی وجہ سے اُن کا ذہن جہاں درست معلومات کے حصول کے لیے کوشاں تھا وہیں انھیں شش و پنج میں بھی مبتلا کر دیتا تھا۔ تاہم پے در پے ایسے واقعات ہوئے جو انھیں اسلام کے مزید قریب لے آئے۔ اس میں جہاں فنِ مصوری نے اُن کی مدد کی، وہیں کلاسیکل موسیقی بھی مریم کو نئے مذہب کے قریب لانے میں معاون ثابت ہوئی۔ ایک دفعہ اتفاقاً انھوں نے ریڈیو پر عربی موسیقی سنی جو اُن کو بہت زیادہ پسند آئی۔ اپنے والدین کو انھوں نے اس وقت تک چین نہ لینے دیا جب تک اُن کے والد نے انھیں عرب موسیقی کے ریکارڈ نہیں دلا دیے۔ عرب موسیقی مریم کو اس قدر اچھی لگی کہ انھوں نے امریکی موسیقی کو خیر آباد کہہ دیا اور ہر وقت ان کے کمرے میں مشہور عرب گلوکارہ امِ کلثوم کی آواز ہی گونجنے لگی۔ ان ریکارڈوں میں سورۂ مریم کی تلاوت کا ایک ریکارڈ بھی تھا جو انھیں سب سے زیادہ اچھا لگا۔ اگرچہ وہ عربی زبان سے نابلد تھیں مگر قرآنِ مجید کی تلاوت کو گھنٹوں بیٹھ کر سنتی رہتی تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بعد ازاں محمد پکتھال کے قرآن مجید کے ترجمے سے انھیں اپنے بہت سے سوالات کے جوابات مل گئے، جس کی وجہ سے قرآن مجید سے ان کی محبت بہت شدید ہو گئی۔

محمد اسد[۷۷] کی کتاب The Road to Mecca بھی انھیں عربوں اور اسلام کے قریب کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ وہ اپنی کتابوں میں بارہا محمد اسد کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ وہ اپنے قبولِ اسلام،

76- Jameelah, *Memories*, 24.

۷۷- محمد اسد ایک جرمن یہودی تھے جو بعد ازاں مسلمان ہو گئے تھے۔ مریم جمیلہ کی طرح انھوں نے بھی اپنی زندگی کا ایک حصہ پاکستان میں گزارا۔

ہجرت اور ادبی سفر میں محمد اسد کو اپنا راہ بر مانتی ہیں۔[۷۸] محمد اسد نے جس طرح The Road to Mecca میں سادہ عرب تہذیب و ثقافت کا نقشہ انتہائی دل فریب انداز میں کھینچا ہے اس نے مریم جمیلہ کو عرب تہذیب و ثقافت کا گرویدہ بنا لیا۔ اُن کی ذاتی لائبریری میں موجود شاہراہِ مکہ کے ابتدائی صفحات پر انھوں نے اپنے خیالات درج ذیل الفاظ میں قلم بند کیے ہیں۔

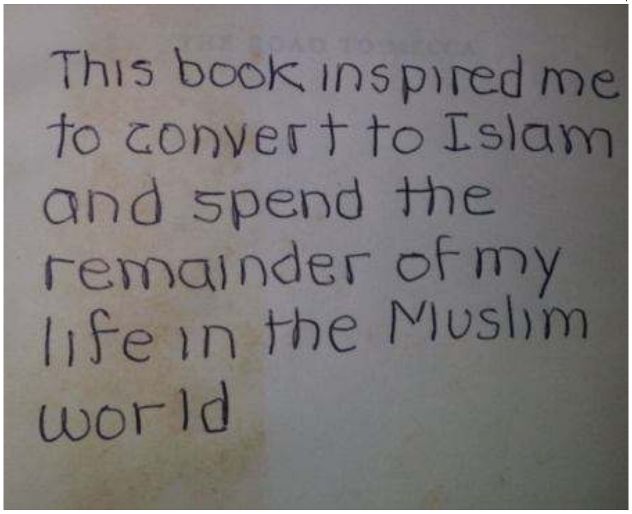

قرب وجوار کی پبلک لائبریریوں میں عربوں کے متعلق تمام کتب کو پڑھنے کے بعد انھوں نے Orientalia Inc نامی مشرقی کتابوں کی ایک دوکان سے رجوع کیا اور درج ذیل کتب منتخب کیں:

۱. *Islam at the Crossroads* از محمد اسد۔

۲. **مقدمہ ابن خلدون** از ابن خلدون[۷۹] (۱۳۲۲-۱۴۰۶)۔

۳. **اسرارِ بے خودی** اور **رموزِ بے خودی** از محمد اقبال[۸۰] (۱۸۷۷-۱۹۳۸)۔

78- Maryam Jameelah, *A Great Islamic Movement in Turkey: Badee-U-Zaman Said Nursi* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1981), 3; Review of *Islam at the Crossroads*, by Muhammad Asad. *Muslim World Book Review* 5, no. 4 (1985), 41; Jameelah *Memories*, 109; 68; 210.

۷۹- ابنِ خلدون ایک مشہور مورخ، سوانح نگار، فقیہ اور مسلم عالم تھے جنھیں علم الاجتماع کے بانیوں میں تصور کیا جاتا ہے۔

۸۰- محمد اقبال ایک نامور شاعر، مفکر، فلسفی، قانون دان اور ماہر سیاسیات تھے جنھیں بعد میں پاکستان کے قومی شاعر کا خطاب ملا۔

محمد اسد کی *Islam at the Crossroads* نے مریم جمیلہ کو بہت زیادہ متاثر کیا، جس کی وجہ سے انھوں نے اس کتاب کو اپنے ادبی سفر کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مریم کے خیال میں محمد اسد کی تحریروں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی اور مغربی ثقافت کبھی بھی ہم آہنگ نہیں ہوسکتی۔ مغرب پر اسد کی تنقید نے مریم کو راغب کیا کہ وہ بھی مغربی ثقافت کا ناقدانہ جائزہ لیں۔ اس کتاب سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنی پہلی تصنیف *Islam Versus the West* تحریر کی جو اُن مقالوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنی ہجرت سے قبل ۱۹۵۴ اور ۱۹۶۲ کے درمیان لکھے تھے۔[۸۱] تاہم بعد میں جب محمد اسد نے *Islam at the Crossroads* کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو اپنے ایک تبصرے میں مریم جمیلہ اُن پر تنقید کرتے ہوئے کہتی ہیں: "اصلاحی تحریکوں کے بہی خواہ ہونے کی وجہ سے وہ تصوف سے برگشتہ ہیں اور صوفیا و علما دونوں کی مخالفت کرتے ہیں۔"[(۸۲)] اس کے علاوہ وہ محمد اسد کے **صحيح البخاري** کے ترجمے پر بھی تنقید کرتی ہیں کہ بعض اوقات ترجمہ کرتے وقت محمد اسد صرف عقلی انداز میں چیزوں کی وضاحت کر دیتے ہیں۔[(۸۳)]

محمد اقبال کی شاعری نے بھی مریم جمیلہ کو بہت متاثر کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اقبال ان گنے چنے شعرا میں سے ہیں جو ترجمے میں بھی شاعری سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔[(۸۴)] اقبال کی شاعری سے ان کے لگاؤ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مریم کی اولین تحریر **احمد خلیل** میں بھی انھوں نے اقبال کی شاعری سے اقتباس درج کیے ہیں۔[۸۵] اگرچہ انھیں اقبال کی شاعری بہت پسند تھی مگر *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* کے حوالے سے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط میں وہ لکھتی ہیں: "میں ان (محمد اقبال) کی لکھی تقریباً ہر بات سے سخت اختلاف رکھتی ہوں"[(۸۶)] مریم جمیلہ کے نام ایک خط میں محمد

---

81 - Jameelah, *Memories*, 160.

82 -Asad, *Islam at the Crossroads*, 40.

83 -Review of *Sahih Al-Bukhari: The Early Years of Islam*, by Muhammad Asad. *Muslim World Book Review* 3, no. 3 (1983), 3.

84 -Jameelah, *Memories*, 110-11.

۸۵-مریم جمیلہ اپنی تمام تحریروں میں سے **احمد خلیل** کو سب سے زیادہ پسند کرتی تھیں۔ اُن کے ناول کے کرداروں، احمد خلیل اور عبد الرحمن کے مابین اقبال کی شخصیت اور شاعری پر گفتگو ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیے:

Maryam Jameelah, Ahmad Khalil: *The Story of a Palestinian Refuge and His Family*, 281-84.

86-Jameelah, *Memories*, 160.

سہیل عمر(۸۷) لکھتے ہیں کہ اقبال کی نثر پر گفت گو کرتے وقت مریم جمیلہ نے ٹھیک انھیں حصوں پر تنقید کی ہے جو اسلام کی روایتی اور قدیم فکر کے مخالف تھے۔(۸۸) **مقدمہ ابنِ خلدون** اور قبولِ اسلام سے قبل دیگر اسلامی کتب کے متعلق مریم جمیلہ کے مطالعے کے بارے میں اُن کی تحریروں سے خاطر خواہ معلومات نہیں ملتیں تاہم یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ امریکہ میں قیام کے دوران انھوں نے سید احمد خان، محمد عبدہ اور محمد اسد جیسے جدیدیت پسند علما کو ضرور پڑھا تھا۔ اس کے علاوہ **مشکاۃ**، **صحیح البخاری**، اور قرآن مجید کے مختلف تراجم بھی اُن کے زیرِ مطالعہ رہے تھے۔

مولانا مودودی کی حیات بعد الموت کے موضوع پر لکھی گئی ایک تحریر کے ذریعے مریم جمیلہ اُن سے متعارف ہوئیں تھیں۔ اسلام قبول کرنے سے قبل ہی دونوں کے درمیان باقاعدہ خط و کتابت کا آغاز ہو چکا تھا۔ مریم جمیلہ نے اپنا پہلا خط مولانا مودودی کو ۵/ دسمبر ۱۹۶۰ء کو لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے قبل نہ صرف اسلام بلکہ دوسرے مذاہب کے متعلق کافی حد تک آگاہی حاصل کر چکی تھیں۔ وہ مولانا مودودی کی پیش کش پر پاکستان آئیں اور اُن کی منہ بولی بیٹی بن کر ان کے گھر میں بھی رہیں، مگر وہ اپنے قبولِ اسلام، ہجرت اور ادبی سفر میں مولانا مودودی کو اپنا راہ بر تصور نہیں کرتی تھیں۔(۸۹) البتہ ان کا یہ خیال ضرور تھا کہ مولانا مودودی کی صحبت اور باہمی خط و کتابت سے اُن کے نقطہ نظر اور علمی سوچ میں وسعت آئی۔ مولانا مودودی کو بھی مریم جمیلہ کے اسلام کے گہرے مطالعے کا احساس ہو گیا تھا جس کا اظہار مریم جمیلہ کو لکھے گئے اُن کے پہلے ہی خط سے ہوتا ہے:

۸۷- محمد سہیل عمر ایک نام ور پاکستانی مفکر اور فلسفی ہیں جو اقبال کی فلسفیانہ فکر کے مطالعے کی وجہ سے مشہور ہیں۔

88-Mohammad Suheyl Umar, "Mohammad Suheyl Umar to Maryam Jameelah," (Lahore: Personal Library of Maryam Jameelah, 1985).

89 - Maryam Jameelah, *Correspondence*, ii.

جب میں آپ کے مقالات پڑھ رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اپنے ہی نظریات پڑھ رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میری کتابوں کا مطالعہ کرتے وقت آپ کے احساسات بھی ایسے ہی ہوں گے اور یہ کہ میرا اور آپ کا اس سے قبل کسی قسم کا کوئی تعارف بھی نہیں تھا۔ ہمارے خیالات میں دردمندی اور اتفاق رائے یقیناً اس وجہ سے ہے کہ ہم دونوں نے جن ماخذ سے رہ نمائی حاصل کی ہے وہ ہم میں مشترک ہیں۔۔۔ اور میں یہ بھی جاننے کا خواہش مند ہوں کہ کس طرح ایک نوجوان امریکی لڑکی اسلام کی اس قدر صریح اور واضح سمجھ حاصل کر پائی ہے، اگر آپ کے پاس وقت ہو تو کیا آپ اپنے ذہنی ارتقا کا اجمالی قصہ لکھ کر مجھے بھجوا سکتی ہیں؟(۹۰)

درج بالا اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ مولانا مودودی خود بھی اس بات پر حیران تھے کہ امریکہ کے جدید معاشرے میں پرورش پانے والی ایک یہودی لڑکی کس طرح اسلام کو واضح انداز میں سمجھ پائی ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید دونوں کے فکری ماخذ ایک جیسے ہی تھے جس کی وجہ سے دونوں کی سوچ میں مشابہت ہے۔ اسی حیرانی کی وجہ سے انھوں نے مریم جمیلہ سے اُن کے ذہنی ارتقا کے متعلق جاننے کی خواہش کا اظہار کیا، مگر چوں کہ مولانا مودودی نے مریم جمیلہ سے صرف اسلام کے متعلق پوچھا تھا، اس لیے انھوں نے مولانا مودودی کے خط کے جواب مختصراً اُن کو اسلام کی طرف اپنے میلان کی وجوہات ایک قصے کے انداز میں لکھ کر بھجوا دیں۔ مریم کا خیال تھا کہ یہودیوں کی دکھ بھری داستانیں، مسلمانوں اور یہودیوں کا ایک ہی نبی کی اولاد ہونا اور سپین میں مسلمانوں کے زیرِ اثر یہود کے سنہری دور کے ظہور نے انھیں اسلام کی طرف راغب کیا۔ بعد میں صیہونی عزائم، حیات بعد الموت کا خوف، اساتذہ اور معاشرے کے تلخ رویے، مطالعہِ قرآن مجید، والدین کی مذہب سے دوری اور ریفارم یہودیت کے "منافقانہ" رویے نے ان کے شوق کو مزید ہوا دی اور انھوں نے اسلام کا عرق ریزی سے مطالعہ کیا۔(۹۱)

قبولِ اسلام کے بعد، امریکہ ہی میں قیام کے دوران ۱۹۶۲ء میں اپنے والدین کے نام ایک خط میں مریم جمیلہ اسلام اور دوسرے مذاہب کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتی ہیں کہ وہ روایت سے رشتہ جوڑنا پسند کرتی ہیں نہ کہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق مذاہب کی تشریحات کرنے سے۔

میں اصلاح پرستی اور تمام نام نہاد مصلحین کو ناپسند کرتی ہوں اور میں اپنی آئندہ کتاب *Islam and Modernism* میں اُن کا مفصل رد لکھوں گی۔ میں مودودی صاحب سے متفق ہوں کہ مسلمانوں کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ پورے کا پورا اسلام قبول کریں، نہ کہ صرف قرآن، حدیث اور سنت بلکہ چاروں امام اور ان کا روایتی کٹر نقطۂ نظر، میراثِ تصوف اور اس کے ساتھ اسلامی تہذیب وثقافت کے زیر اثر پرورش پانے والی سائنس، آرٹس، اُس ثقافت کا

90 - Ibid., 5.

91 - Ibid., 9-12.